سبق: 8

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ ھود ،آیت 84 تا 95)

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا، انھوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں اور ماپ تول میں کمی نہ کرو، بے شک میں تمھیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور بے شک میں تمھارے بارے

آیت 84،85 ﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾: شعیب علیہ السلام کی بات ہو رہی ہے۔ یہ اسی تسلسل میں ہے جس میں پہلی قوموں اور ان کی طرف دعوت دینے والے نبیوں کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ ہم نے شعیب علیہ السلام کو مدین شہر کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ جو قوم اس شہر میں آباد تھی یہ بھی اسی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ . . . .﴾: شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی دعوت پیش کی جو دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کو پیش کرتے رہے کہ اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ کی عبادت سے باز آجاؤ۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد دراصل توحیدِ الوہیت کی دعوت دینا تھا کہ اللہ کے سوا اور کوئی تمھارا الٰہ نہیں ہے۔ فرمایا: ﴿وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ﴾ شعیب علیہ السلام کہنے لگے کہ تمھاری طرف سے ماپ تول میں کمی کا رویہ انتہائی غلط عمل ہے اسے درست کرو۔ ”﴿اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ﴾“ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اچھے خاصے خوش حال ہو اور اللہ نے تمھیں مال دے رکھا ہے۔ یہاں خیر کا لفظ بولا گیا ہے کہ ساری اچھائی اللہ رب العالمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہی بندوں کے مال میں نفع دیتا اور خوش حالی عطا کرتا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا کچھ ہم نے اپنی محنت اور صلاحیت سے کمایا ہے لیکن شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ یہ ساری خیر تمھیں اللہ کی طرف سے ملی ہے لیکن اس کے باوجود تم ماپ تول میں کمی جیسی غلطیاں کرتے ہو تو یہ رویہ تمھارے لیے کسی صورت روا نہیں ہے۔

﴿وَ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾: ”اور بے شک میں تمھارے بارے میں گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔“ یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ جب کسی قوم میں شرک آجاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ شرک تمام خرابیوں و فساد کی بنیاد اور ہر برائی کی جڑ ہے۔ اس لیے جتنے

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

میں گھیر لینے والے عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں ﴿84﴾ اور اے میری قوم! ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو ﴿85﴾

نبی مبعوث ہوئے سب نے لڑائی جھگڑے، قتل و غارت گری اور عصمتوں پر ڈاکے جیسے بگاڑ کا خاتمہ توحید کی دعوت سے کیا ہے۔ جب اللہ کا حق نہ پہچانا جائے تو بندوں کے حق بھی کوئی نہیں پہچانتا اور دنیا میں لوگوں کو باقی حقوق بھی نہیں ملتے۔ آج دنیا کی سیاست اسی پر چل رہی ہے اور ہر طرف حقوق نہ ملنے کا واویلا کیا جاتا ہے لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ ایسا کیوں ہے۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ عبادت کا خالص اللہ کے لیے ہونا اس کا حق ہے۔ جب یہ حق اللہ کو نہیں دیا جاتا اور شرک شروع ہو جاتا ہے تو پھر انسانوں کے حقوق بھی محفوظ نہیں رہتے اور لوگوں میں بیماریاں اور گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے لوگوں کو اللہ کا حق بتاتے تھے اور اصلاح کا کام توحید کی دعوت سے کرتے تھے۔ کسی نبی نے آ کر پہلے یہ نہیں کہا کہ چوریاں نہ کرو اور ڈاکے نہ مارو بلکہ سب سے پہلے یہی بات کہی: ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں۔'' سب نبیوں نے توحید کی دعوت سے آغاز کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ تمھاری وابستگی اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ امید بھی اللہ سے ہونی چاہیے اور دل میں خوف بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ جب اس کے ساتھ تمھارا معاملہ درست ہو جائے گا، تمھاری امیدیں غیر اللہ سے وابستہ نہیں رہیں گی اور عبادت و اطاعت غیر اللہ کی نہیں ہو گی تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد نہ حقوق کا غصب ہو گا اور نہ ہی قتل و غارت گری ہو گی۔ دنیا میں اس وقت جتنا فساد ہے اس کا علاج انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہی سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں اس بنیادی اصول کو بار بار بیان کیا ہے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ بڑے متکبر قسم کے تھے۔ ہود علیہ السلام کی قوم میں طاقت وروں کی طرف سے کمزوروں کو مارا جاتا، قتل کیا جاتا اور سب کچھ چھین لیا جاتا تھا۔ ایسے ہی صالح علیہ السلام کا قصہ ہے تو ان ساری قوموں میں شرک کی وجہ سے ہی یہ خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں چیدہ چیدہ گناہوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان آیات میں قومِ شعیب میں ماپ تول کی کمی کی عادت، لوگوں کا حق مارنے اور زیادتیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ان سارے گناہوں کا سبب بھی شرک ہی تھا۔ دلوں میں اللہ کا خوف توحید کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب یہ خوف ختم ہو جائے تو پھر ماپ تول میں کمی جیسے دوسرے گناہ اور نافرمانیاں عام ہو جاتی ہیں۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اللہ کی دی ہوئی بچت تمھارے لیے بہت بہتر ہے، اگر تم ایمان والے ہو (تو یہی رویہ رکھو) اور میں تم پر کوئی محافظ تو نہیں ہوں ﴿86﴾

وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ . . . : ''اور اے میری قوم! ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔'' ماپ تول میں کمی کرنا قوم شعیب کا وطیرہ بن چکا تھا۔ شعیب علیہ السلام انھیں سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو۔ یہ بات پیچھے بیان ہوئی ہے کہ جب وہ کسی سے کوئی چیز لیتے تو زیادہ لے لیتے تھے اور جب دیتے تو اس میں کمی کر دیتے تھے۔ منافع کمانے کی ناجائز شکلیں اختیار کرنا سب ''لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ'' میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلق مکیال (پیمانے) اور میزان کی بات کی ہے، تاہم معاشی اعتبار سے جتنی خرابیاں دکھائی دیتی ہیں سب انھی چیزوں سے متعلق ہیں۔ معاشی خرابیاں معاشروں کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں۔

وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ : ''اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو۔'' اصحابِ مدین میں ایک بہت بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ ڈاکے مارنے والے مشہور تھے۔ ڈاکا مارنا اور فساد برپا کرنا کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ چوری کا اثر اتنا شدید نہیں ہوتا جتنا ڈاکے کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ (۳۳) میں اسے فساد قرار دیا ہے اور اس کی سزا بھی بیان کی ہے کہ ایک ہاتھ اور اس کی مخالف سمت سے ایک پاؤں ایک ساتھ کاٹ دیے جائیں۔ یہ سزا رب تعالیٰ نے ڈاکا مارنے سے متعلق خود بیان کی ہے کیوں کہ جب ڈاکا ہوتا ہے تو اس میں قتل بھی ہوتا ہے اور صرف مال ہی نہیں لوٹا جاتا بلکہ اور بھی بہت سارے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ لوگوں کا مال راستوں میں بیٹھ کر لوٹ لینا، مسافروں کو تنگ کرنا، گھروں میں جا کر بھتا لینا، چادر چار دیواری کا تقدس پامال کرنا اور زبردستی مال چھین لینا ''فساد فی الارض'' میں شامل ہے۔ قومِ شعیب میں یہ ساری چیزیں موجود تھیں۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا مزاج اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ اگر کوئی ان کی اصلاح کی بات کرتا اور کہتا کہ تم لوگ یہ خرابی پیدا کر رہے ہو، معاشی طور پر تم نے یہ فساد مچا رکھا ہے اور ناہمواری اور لوٹ کھسوٹ عام ہے تو وہ اسی کے درپے ہو جاتے، مار پیٹ کرتے اور اسے خاموش رکھنے کی کوشش کرتے۔ یعنی ان میں فساد اور ظلم اس انتہا تک پہنچ گیا تھا کہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی شخص انھیں ان کی غلطیوں سے بھی آگاہ نہ کرے۔

آیت 86 ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ : حرام کے سب سلسلے ختم کر کے اللہ تعالیٰ تمھیں صحیح مال کے ضابطوں کا پابند بناتا ہے تو یہ چیز تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔ حلال طریقوں سے جب مال کمایا جاتا ہے تو اس سے بگاڑ اور فساد پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس سود اور حرام کاروبار کے نتیجے میں کچھ لوگ غریب سے غریب تر اور کچھ امیر سے امیر تر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی معاشروں میں طبقات کی کشمکش اور اونچ نیچ کے سلسلے بھی بہت زیادہ نقصان کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام جس پر ملکوں کے بجٹ بنائے جاتے ہیں اور نظامِ معیشت چلتا ہے، اس کے مقابلے میں روس اور چین کے علاقوں سے کمیونزم آیا لیکن یہ نظام اس سے بھی زیادہ ظلم پر مبنی تھا۔ ماؤزے تنگ، کارل مارکس اور لینن جیسے معاشی فلسفیوں نے کمیونزم اور سوشلزم کی صورت میں سرمایہ دارانہ نظام کا توڑ پیش کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تمام وسائل جو عام لوگوں کے پاس موجود ہو سکتے ہیں، ان سب کو حکومت کے کنٹرول میں ہونا چاہیے اور اس کے بعد پھر حکومت اسے لوگوں میں برابر تقسیم کرے۔ مثال کے طور پر ایک گھر کے چار افراد ہیں تو انھیں اس حساب سے اور ایک گھر کے دس افراد ہیں تو انھیں اس کے حساب سے روٹیاں بانٹی جائیں، یعنی افراد کے اعتبار سے لوگوں کو وسائل فراہم کیے جائیں۔

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ کمیونزم کو جب سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں پروان چڑھایا گیا تو اس کے نتیجے میں برپا ہونے والا فساد سرمایہ دارانہ نظام سے بھی بڑھ گیا۔ ظاہر بات ہے جب سارے ہاتھوں سے مال چھین کر ان چند ایک ہاتھوں میں آئے گا جن کے پاس طاقت، قوت اور حکومت ہے تو لازمی بات ہے پھر وہ اور زیادہ ظلم کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم سے مزید معاشرتی بگاڑ پیدا ہوا اور ظلم کے سلسلے پروان چڑھے۔ کمیونزم سے نکاح کا تصور بھی ختم ہو گیا اور کہا گیا کہ عورتیں معاشرے کے اجتماعی نظام کا حصہ اور مشترکہ میراث ہیں، اس لیے نکاح کی پابندی ختم ہونی چاہیے۔ عورت کا صرف ایک بندے سے ہی نکاح کر دینا درست نہیں، اس سے عورت کے حقوق غصب ہوتے ہیں۔ کمیونزم کے ماننے والوں نے جب یہ فلسفے پیش کیے تو اس سے پھر معاشروں میں بہت زیادہ بگاڑ، ظلم اور ابتری پھیلی۔

جب کوئی نظام ظلم کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ساری زمین اللہ کی ہے۔ وہ مہلت ضرور دیتا ہے لیکن پھر اس کی پکڑ بھی آتی ہے۔ کمیونزم میں چونکہ حقوق کا غصب بہت زیادہ تھا اور لوگوں کی آزادی بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی، اس لیے معاشروں میں اتنا ظلم برپا ہوا کہ اب کمیونزم دنیا میں کسی جگہ دکھائی نہیں دیتا۔ روس اور چین بھی اسے عملی طور پر چھوڑ چکے ہیں۔ زیادہ تر چیزیں سرمایہ دارانہ نظام سے اور چند ایک معمولی چیزیں کمیونزم کے فلسفہ سے لے کر عام ملک اپنے نظام چلا رہے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہر ملک اور معاشرے میں مختلف طریقوں سے رائج ہے۔ یہ نظام بھی بہت ظالمانہ ہے اور اس کے ساتھ بھی امیر اور غریب کی کشمکش میں یقیناً بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ جب کسی کے حقوق غصب ہوں گے تو وہ بھی اپنے طور پر انتقام لینے کی کوشش کرے گا اور اس سے پھر قتل و غارت گری جیسے جرائم معاشروں میں بہت زیادہ پروان چڑھیں گے۔ معاشی ضابطے مقرر کر کے سرمایہ دارانہ نظام چلانے والے ملکوں نے بگاڑ اور فساد پر قابو پانے کے لیے کچھ قوانین وضع کیے ہیں

لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہر جگہ معاشروں میں طبقاتی تقسیم بڑھ رہی ہے۔

روس کے خلاف جہاد ہوا تو اس کی برکت سے مسلمانوں کو بہت بڑی بڑی کامیابیاں ملیں۔ ان میں سے ایک کامیابی یہ تھی کہ کمیونزم اور سوشلزم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جہاد نے اب بھی جاری رہنا ہے اور اس کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ نظام بھی باقی نہیں رہے گا۔ (ان شاء اللہ)۔ کافر قوتوں کے خلاف مسلمانوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں اللہ کا دین ہر صورت میں غالب ہو کر رہے گا۔ اس سے پھر وسائل کا صحیح استعمال اور معاشروں میں عدل و انصاف قائم ہو گا۔ جب دین کو قوت حاصل ہو گی اور سب کے حقوق کا محافظ رب تعالیٰ کا دین بنے گا تو طبقات کی کشمکش اور امیر و غریب کا بہت زیادہ فرق بھی ختم ہو جائے گا۔

اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بڑا علمبردار امریکہ اور دوسرے بعض مغربی ملک ہیں، ان سب کو افغانستان میں بری طرح شکست ہوئی ہے اور ان کا بے پناہ سرمایہ ضائع ہوا ہے۔ اتحادی ملکوں کی فوجیں یہاں سے شکست کھا کر بھاگی ہیں اور اس کے اثرات ان ملکوں پر بہت زیادہ پڑے ہیں۔ اگرچہ اس موقع پر مسلمانوں سے بھی بعض کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ ایسے تکفیری گروہ پروان چڑھے جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف قتل کے فتوے دیے اور کہا گیا کہ کافر قوتوں کے خلاف جہاد کی بجائے پہلے یہاں موجود دفاعی اداروں کے لوگوں کا قتل کیا جائے۔ اس خارجیت نے اسلام اور جہاد کا بہت زیادہ نقصان کیا ہے لیکن جس طرح پہلے ادوار میں خارجیت ختم ہوئی آج بھی ختم ہو جائے گی اور جہاد کا عظیم عمل جاری و ساری رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

مسلمان ملکوں میں جب تکفیر اور خارجیت جیسے فتنے پروان چڑھتے ہیں تو اس سے پھر اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس وقت بھی کافروں کی سازشیں عروج پر ہیں اور ہم مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور لڑائی جھگڑے دیکھ رہے ہیں۔ بعض مسلمان ایک دوسرے پر واجب القتل ہونے کے فتوے لگا رہے ہیں۔ اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو مسلمان نہ سمجھنا بہت بڑا جرم ہے اور اس کا شدید نقصان ہے۔ مسلم امہ اگر جہاد کو اللہ کے دین کا فریضہ سمجھ کر صحیح معنوں میں قبول کر لے اور مسلمان ملکوں کی حکومتیں جہاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کریں تو چند برسوں میں اسلام دنیا میں ایک مضبوط قوت بن کر ابھرے گا اور کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں یہودی، صلیبی اور رومی بہت بڑی طاقت بنے بیٹھے تھے لیکن غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ کے موقع پر جب سارے کافر ناکام ہوئے اور غنیمتیں چھوڑ کر بھاگے تو اللہ رب العزت نے جہاد کے ضمن میں ہی یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا﴾ [الأحزاب: ۲۷] کہ مسلمانو! اس جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھیں ان ساری چیزوں کا وارث بنا دے گا جو اس وقت ان کے پاس ہیں۔ ان کے وسائل، قوت، طاقت اور کنٹرول سب کچھ تمھارے ہاتھ میں آجائے گا۔ جہاد کی برکت سے تمھیں وہ علاقے اور

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا

انھوں نے کہا اے شعیب! کیا تمھاری نماز تمھیں حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا

زمینیں بھی ملیں گی جنھیں تم نے ابھی دیکھا تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے باطل نظاموں کے خاتمے کے لیے جو ضابطہ بنایا ہے اس سے صرف یہی نہیں ہے کہ شرک ختم ہو گا بلکہ کافر قوتوں کے بنائے ہوئے سب ڈھانچے اور نظام بھی بکھر جائیں گے۔ اصلاح کا یہ راستہ اللہ رب العالمین کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ خالقِ کائنات کے بتائے ہوئے حلال و حرام کے ضابطوں پر عمل کر کے تم جو کچھ بھی کماؤ گے اس میں تمھارے لیے خیر ہے۔ یہاں "لَكُمْ" (تمھارے لیے) سے مراد صرف قومِ شعیب نہیں بلکہ سبھی انسان ہیں۔ سب انسانوں کا حق ہے کہ انھیں خوش حالی ملے۔ مال و دولت صرف چند ہاتھوں میں آ جائے اور باقی لوگ محروم رہیں یہ خیر کا راستہ نہیں ہے۔ اللہ کے حکم اور اس کے ضابطوں پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو جو مال اور نفع ملے گا اس سے زمین پر بگاڑ اور فساد برپا نہیں ہو گا اور نہ ہی اس سے انسانوں کے حقوق غصب ہوں گے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ: "اگر تم ایمان والے ہو (تو یہی رویہ رکھو) اور میں تم پر کوئی محافظ تو نہیں ہوں۔" میں نگرانی کر کے ہر کسی کو حرام کمانے سے روک نہیں سکتا۔ یہ اللہ کی ذات ہی ہے جو ہر چیز کا علم رکھنے والی ہے۔ میں تو صرف تمھیں سمجھانے والا ہوں تا کہ تم اپنی اصلاح کر لو اور رب تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جاؤ۔

آیت 87 ﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ . . . : شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ کہتے تھے یہ بات ٹھیک ہے کہ تو نماز پڑھتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور نیک آدمی ہے لیکن تیری نماز تیرے ساتھ ہی ہے۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم بھی تیرے جیسے بن جائیں اور اپنے باپ دادا کے دین کو محض اس وجہ سے چھوڑ دیں کہ تو بڑا نیک اور پرہیز گار ہے؟ تو یہ نہیں ہو گا۔ تم نیکی کرو اور نمازیں پڑھو یہ تمھارا ذاتی معاملہ ہے لیکن ہماری اصلاح کی فکر چھوڑ دو۔ کہنے لگے: ﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ ہمارے مال اور کاروبار میں ہمارا ہی اختیار ہے۔ ہم جیسے چاہیں نفع کمائیں اور اپنے اموال میں تصرف کریں، تجھے ہمارے مذہبی اور مالی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ معاملات تیری ذات سے متعلق ہرگز نہیں ہیں۔

آپ ذرا غور کریں کہ آج بھی بالکل ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں کہ اپنے عقیدے کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے عقیدے کو چھیڑو نہیں۔ جو کوئی جس طریقے سے نماز پڑھنا چاہتا ہے پڑھتا رہے اور جو نہیں پڑھنا چاہتا نہ پڑھے، ہر کسی نے اپنی قبر میں جانا ہے، کسی دوسرے کی قبر میں نہیں جانا۔ ہمارے معاشروں میں سیکولر اور لادین قسم کے لوگوں میں ایسا ہی تصور پایا جاتا ہے کہ تجھے کسی کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت ہے۔ قومِ شعیب کے لوگ بھی کہتے

مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

عبادت کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جو تصرف کرنا چاہیں (وہ نہ کریں) یقیناً تم بہت ہی بردبار، سمجھ دار تھے ﴿87﴾

تھے کہ ہم سود سے کمائیں یا کوئی اور طریقہ اختیار کریں تو ہمیں کسی بات کا پابند نہیں کرسکتا۔ ہر شخص کی اپنی مرضی ہے کہ وہ جس نظام کو چاہے قبول کرے اور جیسے چاہے زندگی بسر کرے، کوئی اس پر زبردستی نہیں کرسکتا۔ مغرب میں اس وقت یہی سیکولر نظام چل رہا ہے۔ باپ اپنی بیٹی کو اور شوہر اپنی بیوی کو بدکرداری سے نہیں روک سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو پولیس اسے پکڑ کر لے جائے گی کہ تم نے اپنی بیٹی اور بیوی کی آزادی میں مداخلت کیوں کی ہے۔

پاکستان سے مغربی ملکوں و معاشروں میں جاکر بسنے والے بہت سارے لوگ اس طرح کے واقعات سناتے ہیں کہ کسی نے غیر مرد سے تعلق قائم کرنے پر بیوی کو تھپڑ مارا تو اسے جیل جانا پڑ گیا یا بیوی اور بیٹی کو بدکرداری سے باز رکھنے کی کوشش کی تو اس نے پولیس بلالی۔ گویا ان معاشروں میں اس قدر بگاڑ ہے کہ چاہے علانیہ بدکاری اور زنا کا ارتکاب کیا جارہا ہو آپ کسی کو روک نہیں سکتے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو سمجھا جائے گا کہ آپ نے اسے پریشان اور ڈسٹرب کیا ہے۔ سچی بات ہے کہ یہ چیزیں کسی بھی خطے یا علاقے میں معاشرتی بگاڑ کے انتہا پر پہنچنے کی دلیل ہیں۔ قومِ شعیب کا رویہ بھی ایسا ہی تھا کہ وہ اللہ کے نبی اور برگزیدہ ہستیوں سے کہہ دیتے تھے کہ تمھارا کیا حق ہے کہ تم ہمارے نجی معاملات میں دخل اندازی کرو۔ ہم جس کی چاہیں پوجا کریں اور جیسے چاہیں کاروبار کریں تم ہمیں روکنے کی کوشش نہ کرو۔ لوگوں کے یہ رویے اس وقت بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

افسوس کی بات ہے کہ جس طرح مغربی ملکوں میں بدکاری اور زنا عام ہے ایسے ہی پاکستان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی فحاشی و عریانی پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلم حکومتوں، علمائے کرام اور دوسرے تمام طبقوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشروں سے بگاڑ دور کرنے کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ اس سلسلہ میں ہر طبقے کے لوگوں کو دعوت دینے کی ضرورت ہے۔ معاشرتی انحطاط اور گراوٹ کے اس انتہا پر پہنچنے سے سوچ کے پیمانے تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ: بے شک تو بڑا حلیم الطبع اور سمجھ دار آدمی ہے، ہم تجھ سے یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ تو خواہ مخواہ ہمارے نجی معاملات میں مداخلت کرے گا۔ ابن کثیر (۴/ ۳۴۴) اور بعض دیگر مفسرین نے اس کا معنی یہ بھی کیا ہے کہ قومِ شعیب کے لوگوں نے یہ بات استہزاء اور مذاق کے طور پر کہی تھی کہ اچھا! تو بہت بردبار اور سمجھ دار آدمی ہے کہ تو ہمارے پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔ ان کے نزدیک عقل والا وہ تھا جو لوگوں کو برائی سے نہ روکے اور جو کوئی اصلاح کی کوشش کرے اس کے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ یہ نرم طبیعت کا مالک اور عقل و شعور والا نہیں ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

انھوں نے کہا اے میری قوم! کیا تم غور کرتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے بہت اچھا رزق بھی عطا کیا ہو (تو پھر میں تمھاری اصلاح کیوں نہ کروں) اور میں نہیں چاہتا کہ جس چیز سے میں تمھیں روکتا ہوں خود اس کی خلاف ورزی کرنے لگوں، میں تو جہاں تک ہو سکے صرف اصلاح چاہتا ہوں

آیت 88 ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ . . . .﴾: قومِ شعیب کے لوگوں نے جب یہ باتیں کیں تو شعیب علیہ السلام نے کہا کہ مجھے یہ دعوت دے کر اللہ رب العالمین نے بھیجا ہے۔ میں اس بات کا پابند ہوں کہ تمھیں شرک، ظلم و فساد اور کم تولنے جیسی بری عادات سے روکوں لیکن تم کہتے ہو کہ میں تمھیں بالکل بھی دعوت نہ دوں تو یہ نہیں ہو گا۔ میں اصلاح کا کام کرتا رہوں گا۔ فرمایا: ﴿وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھا رزق دیا ہے اور میں تم سے کچھ مانگتا بھی نہیں ہوں۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام مال دار آدمی تھے اور اللہ رب العالمین نے انھیں وسائل سے نواز رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں میں کسی لالچ اور مفاد کی وجہ سے یہ باتیں نہیں کر رہا۔ میں تو صرف اصلاح کرنے والا ہوں۔ "رِزْقًا حَسَنًا" سے مراد دنیا کی کوئی بھی نعمت ہو سکتی ہے جو خیر سے لبریز ہو اور دل اس کی طرف مائل ہو، نیز یہ لفظ نیکی اور خیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، کیونکہ نیک آدمی کے لیے نیکی سے بڑھ کر کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی۔

﴿وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾: شعیب علیہ السلام کہتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ جس چیز سے میں تمھیں منع کرتا ہوں خود اس پر عمل کروں۔ یعنی ظاہر میں تمھیں دعوت دوں اور اپنی ذات کے حوالے سے انھی غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ جب میں کسی کام سے تمھیں روکتا ہوں تو سب سے پہلے خود اللہ کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ میں جس چیز کو دل سے قبول کر چکا ہوں اللہ رب العالمین کی طرف سے اسی دعوت کے پیش کرنے کا پابند ہوں۔ حلال و حرام کے سب ضابطے رب تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور میں ان کی مکمل پابندی کرتا ہوں۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ داعی حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس چیز کی طرف دعوت دیں سب سے پہلے خود اس پر عمل کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو خالقِ کائنات کی طرف سے ان کے لیے سخت وعید ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک شخص کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کی انتڑیاں باہر آجائیں گی۔ وہ گدھے کی طرح ان کے گرد چکر کاٹے گا تو لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو کر کہیں گے کہ تم تو بہت بڑے داعی اور مبلغ تھے، تم ہمیں

وَ مَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

اور میری توفیق صرف اللہ کے پاس ہے، اسی پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ﴿88﴾

وعظ ونصیحت اور نیکی کی تلقین کیا کرتے تھے لیکن آج تمھارے ساتھ بھی یہ سلوک ہو رہا ہے تو وہ جواب دے گا کہ میری غلطی یہ تھی کہ جس چیز سے میں تمھیں منع کرتا تھا خود اس سے باز نہیں رہتا تھا۔ [دیکھیے صحیح البخاري، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار ...: ۳۲۶۷] اس حدیث سے بھی پتا چلتا ہے کہ دین کی دعوت دینے والوں کو اپنے ذاتی کردار و عمل کے حوالے سے بہت صاف ستھرا ہونا چاہیے۔ شعیب علیہ السلام کی بات ہو رہی تھی تو وہ اپنی قوم کے لوگوں سے کہتے ہیں کہ میرا رویہ یہ ہے کہ اگر میں تمھیں کسی چیز کی دعوت دیتا ہوں تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتا ہوں اور جن کاموں سے میں تمھیں روکتا ہوں ذاتی طور پر میں ان کے قریب بھی نہیں جاتا۔ جب کردار میں یہ چیز ہوتی ہے تو لوگوں پر اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ شعیب علیہ السلام اپنے اس عمل اور کردار کو دعوت کی دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرکینِ مکہ سے کہا تھا: ﴿لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [یونس: ۱۶] تم مجھے کبھی ساحر کہتے ہو اور کبھی کہتے ہو کہ میں یہ باتیں اپنی طرف سے گھڑ لیتا ہوں تو کیا تم میرے عمل و کردار سے واقف نہیں ہو۔ میں نے اپنی زندگی کا لمبا عرصہ تمھارے درمیان گزارا ہے۔ کیا تم میرے امانت دار ہونے میں شک کر سکتے ہو؟ مشرکینِ مکہ کے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ: ''میں تو جہاں تک ہو سکے صرف اصلاح چاہتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صلاحیت دی اور وسائل عطا کیے ہیں، ان کے ساتھ میں دعوت اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتا رہوں گا۔ معاشرے کی اصلاح اسی طریقے پر ممکن ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ آخر زمانے میں بھی لوگوں کی اصلاح اسی طریقے پر ہو گی جس پر امت کے آغاز میں ہوئی تھی۔ [دیکھیے مجموع الفتاوی: ۲۰/ ۳۷۵] بعض دانش ور حضرات اور فلسفیوں کی طرف سے معاشروں کی تربیت اور انقلاب کے لیے بڑے بڑے فلسفے پیش کیے جاتے رہے ہیں لیکن آج تک اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ وجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت میں یہ طریقے بیان نہیں کیے گئے۔ توحید و سنت کی مکمل دعوت سے ہی اخلاق و کردار سنوارے جا سکتے ہیں اور معاشروں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ صحابہ کی اصلاح اسی بنیاد پر کی تھی۔

وَ مَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ: اللہ پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تمھاری ہر قسم کی مخالفت کے باوجود اگر میں تمھیں دینِ حق کی دعوت پیش کر رہا ہوں تو اس کی توفیق بھی میرا رب مجھے دے رہا ہے۔ جب تک وہ میری مدد کرتا رہے گا مجھے اس دعوت کے پیش کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں نے

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تمھیں وہی مصیبت پہنچے جو نوح (علیہ السلام) کی قوم، یا ہود (علیہ السلام) کی قوم یا صالح (علیہ السلام) کی قوم کو پہنچی اور لوط (علیہ السلام) کی قوم تم سے کچھ بھی دور نہیں ﴿89﴾

اپنے رب کی رضا کے لیے دعوت پیش کرنی ہے اور اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس بارے میں سوال کرنا ہے، اس لیے میں اپنی اس ذمہ داری سے کسی صورت غافل نہیں رہ سکتا۔

آیت 89 ﴿وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ : شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ تم نے میری مخالفت کی وجہ سے ضد میں آ کر شرک و کفر، گناہوں اور نافرمانیوں کا شکار نہیں ہونا۔ ''لَا يَجْرِمَنَّكُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ تمھیں نہ اکسائے یا تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم میری مخالفت میں آ کر ماپ تول میں کمی اور اموال میں ناجائز تصرف جیسے کام دھڑلے سے کرنے لگ جاؤ۔ تم نے میری وجہ سے ضدی اور ہٹ دھرم بن کر گناہ اور نافرمانی کے کام نہیں کرنے۔ آپ ذرا غور کریں کہ شعیب علیہ السلام کا اسلوب دعوت اور انداز کتنا عمدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین شعیب علیہ السلام کو ''خطیب الانبیاء'' کہتے ہیں۔ آپ لوگوں کی ذہن سازی کر رہے ہیں کہ میں تمھاری اصلاح کرنے والا ہوں، میرے دل میں تمھاری خیر خواہی ہے اور میری تم سے کوئی ذاتی رنجش بھی نہیں ہے۔ میں تو مخلص ہو کر صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ کام کر رہا ہوں، لہٰذا تم نے میری ضد میں آ کر رب تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام نہیں کرنے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی پکڑ اور اس کا عذاب آئے گا۔ پہلے ادوار میں بھی انبیاء علیہم السلام دعوت پیش کرتے رہے لیکن قوموں نے مخالفت میں آ کر اپنے گناہوں کو برقرار رکھا۔ یوں وہ اللہ کے عذاب سے دوچار ہو گئے۔

مِثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ . . . . : قومِ نوح پر اللہ کی پکڑ آئی اور اس کے بعد قومِ ہود اور قومِ صالح بھی عذاب کا شکار ہو گئیں۔ اسی طرح قومِ لوط پر بھی بہت بڑا عذاب آیا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ قومِ لوط تم سے دور نہیں ہے، اگر دور دراز کے خطوں یا علاقوں میں قوموں پر عذاب آئے ہیں تو قومِ لوط کا علاقہ تو تمھارے بہت قریب ہے۔ تم بآسانی ان تباہ حال بستیوں کو دیکھ سکتے ہو جہاں آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی اور زمین کے ایک حصے کو اوپر لے جا کر نیچے کی طرف الٹا دیا گیا۔ واضح رہے کہ جغرافیائی اعتبار سے مدین کا علاقہ اس زمین کے بالکل قریب ہی تھا جہاں قومِ لوط آباد تھی۔ اسی لیے شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ عذاب کے یہ آثار تم سے دور نہیں ہیں تم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہو اور یہ بات یاد

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝۹۰

اور تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے ۝۹۰

رکھو کہ اگر تم ضدی اور ہٹ دھرم بن کر اپنی بداعمالیوں پر قائم رہو گے اور فساد برپا کرو گے تو رب تعالیٰ کا عذاب تم پر بھی اسی طرح آئے گا جس طرح پہلی قوموں پر آتا رہا ہے۔

آیت 90 وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ: تمھارے لیے پہلی قوموں جیسے عذابوں سے بچاؤ کا راستہ یہی ہے کہ شرک سے توبہ کرلو، گناہوں و نافرمانیوں سے باز آجاؤ اور اپنی اصلاح کر کے دین کی طرف واپس پلٹ آؤ۔ اگر تم میرے بتائے ہوئے طریقے پر چلو گے تو کامیاب ٹھہرو گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تم پر رب تعالیٰ کی پکڑ آ کر رہے گی اور تم بھی دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے۔ شعیب علیہ السلام اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے کبھی اپنا کردار پیش کرتے ہیں، کبھی لوگوں کو اللہ رب العالمین کا خوف دلاتے ہیں تو کبھی عقلی دلائل سے بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلوبِ دعوت میں یہ ساری چیزیں بہت اہم ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کا مزاج کسی طرح کا ہوتا ہے اور بعض کسی اور چیز کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے شعیب علیہ السلام تمام طریقے اور اسالیبِ دعوت اختیار کرتے ہوئے انھیں سمجھا رہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، نیک عمل کرنے اور اپنے رویے درست کرنے میں ہی کامیابی ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ: ''بے شک میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔'' تم جتنے گناہ کر چکے ہو اللہ سب معاف فرمادے گا لیکن اگر کوئی رب تعالیٰ کی دشمنی پر کمربستہ ہو اور حد سے بڑھ جائے تو اسے سزا ضرور مل کر رہتی ہے۔ شعیب علیہ السلام اللہ رب العالمین کی صفات بیان کر کے اپنی دعوت کو مؤثر کر رہے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر دعوت پیش کرنی ہو تو جس طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنی صفات بیان کرتا ہے ایسے ہی داعی حضرات بھی اپنے رب کے کمالات، اس کی قدرتیں، وسعتیں اور عظمتیں بیان کریں گے تو اس کے شان دار نتائج نکلیں گے اور دعوت بہت زیادہ مؤثر ہو گی۔ (ان شاء اللہ)

ہمارے معاشروں میں عام طور پر تنقیدی انداز بہت زیادہ اختیار کیا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ انبیاء علیہم السلام دعوت پیش کرتے وقت اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ رہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ قوم نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے الٹی سیدھی باتیں کی ہوں اور نبیوں نے بھی مقابلے میں تنقید کا رویہ اپنایا ہو۔ نبیوں کے اخلاق بہت اعلیٰ تھے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

انھوں نے کہا اے شعیب! ہم بہت سی باتوں کو نہیں سمجھ رہے جو تم کہتے ہو اور بے شک یقیناً ہم تمھیں اپنے میں سے بہت کمزور شخص خیال کرتے ہیں اور اگر تمھاری برادری نہ ہوتی تو ہم تمھیں پتھر مار مار کر مار دیتے اور تم ہم پر کبھی بھی غلبہ نہیں پا سکتے تھے ﴿91﴾

انھوں نے ایسے مواقع پر بھی رب تعالیٰ کی صفات پیش کرتے ہوئے یہی دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ رحمت، محبت اور شفقت کرنے والا ہے۔ اگر تم گناہ، نافرمانیاں اور بغاوتیں ترک کر کے سیدھی راہ اختیار کرو گے تو وہ تمھاری سب خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا اور تمھیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔

آیت 91 ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ: شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ کہنے لگے کہ تیری باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں۔ یہ کسی کی دعوت کو غیر مؤثر کرنے کے لیے بہت رعونت اور تحقیر والا انداز ہوتا ہے کہ دوسرے کے دلائل کو بالکل اہمیت ہی نہ دی جائے اور ظاہر کیا جائے کہ مجھے بڑی سمجھ ہے اور تم جو باتیں کر رہے ہو یہ بہت معمولی ہیں اور میرے دلیل کے معیار پر پورا نہیں اترتیں۔ آج کے دور میں بھی بعض دانش ور اسی ذہنی خلجان میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھی بات بات پر یہی کہتے ہیں کہ یہ تو چودہ سو سال پرانی باتیں ہیں جو دین پر عمل پیرا لوگ کر رہے ہیں۔ انھیں کیا معلوم کہ آج کی دنیا میں ماحول کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ ان کی بات میں کوئی وزن نہیں ہے اور جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں ہمیں کسی صورت پسند نہیں ہے۔

وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا . . . : قومِ شعیب کے لوگ کہتے ہیں تو کمزور آدمی ہے اور تیرے پاس حکومت، فوج، اسلحہ اور وسائل کچھ بھی نہیں ہے کہ جس سے تو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ ایسی صورتِ حال میں تو ہم سے اپنی بات کیسے منوا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیری برادری تجھے پناہ دے کر بیٹھی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کے خاندان اور برادری کے لوگ شرکیہ عقائد میں مبتلا تھے لیکن ان کی مدد وہ صرف رشتہ داری اور برادری کے تعلق کی بنا پر کرتے تھے۔ معاشروں میں برادریاں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے بھی یہی کہا کہ تیرے قبیلے، خاندان اور برادری نے تجھے پناہ دے رکھی ہے اور ہمارے ہاتھوں سے بچایا ہوا ہے ورنہ ہم تجھے پتھر مار مار کر رجم کر دیتے۔

وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ: ''اور تم ہم پر کبھی بھی غلبہ نہیں پا سکتے تھے۔'' تیرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ جس سے تو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ ہم تیری عزت کرتے ہیں اور نہ ہی تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اگر تم ہم سے بچے ہو تو اپنے

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۹۲

کہا اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزت والی ہے اور اسے تم نے پسِ پشت ڈال رکھا ہے، بے شک میرا رب جو تم کر رہے ہو، اس کا پورا احاطہ کرنے والا ہے ۹۲

خاندان کی وجہ سے بچے ہو۔ شعیب علیہ السلام سے پہلے لوط علیہ السلام کا واقعہ گزرا ہے کہ انھوں نے تمنا کی تھی کاش میرا بھی کوئی مضبوط خاندان ہوتا تو حدیث میں ہے کہ اس کے بعد ہر نبی اپنی قوم کے مضبوط خاندان میں سے مبعوث کیا گیا۔ [دیکھیے سنن الترمذي، أبواب التفسير، باب ومن سورة يوسف : ٣١١٦، حسنه الألباني] یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ بھی قریش کے مضبوط ترین خاندان بنو ہاشم میں سے مبعوث ہوئے اور خاص طور پر ان کے چچا ابو طالب نے ان کی پوری طرح حفاظت کی۔

آیت 92 قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ : شعیب علیہ السلام نے لوگوں کی باتوں پر فوراً یہ نہیں کہا کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں واقعتاً اپنی برادری کی وجہ سے بچا ہوا ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ میرا توکل اپنے اس رب پر ہے جس کے لیے میں توحید کی دعوت پیش کر رہا ہوں۔ میری برادری اللہ رب العالمین سے زیادہ عزت، غلبے اور قوت والی نہیں ہے۔ مجھے اگر بچائے گا تو میرا رب بچائے گا۔ میں برادری کی بنیاد پر نہیں رب تعالیٰ کی توفیق سے تمھارے درمیان موجود ہوں اور صرف اسی کی پناہ میں ہوں۔ یہ ذہن تمھارا ہو گا کہ برادری بڑی عزت والی ہوتی ہے اور بندہ اس کی وجہ سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے نزدیک ان چیزوں کی اہمیت نہیں ہے۔ میرا سارا معاملہ خالقِ کائنات کے ساتھ وابستہ ہے جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ساری دنیا میری دشمن ہو جائے اور میری برادری بھی میرا ساتھ چھوڑ جائے، مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں تو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہوئے دعوتِ دین کا کام جاری رکھوں گا۔

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا . . . : شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف سے برادری والی بات کو پسند نہیں کیا اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ تمھارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، تم نے اس کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور تم برادری اور دولت جیسی چیزوں کو اہم بنا کر بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ ظلم تم کر سکتے ہو میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور ایمان تو یہ ہے کہ اصل طاقت و قوت کا مالک میرا رب ہے۔ وہ غالب ہے اور وہی مجھے تمھارے ہاتھوں سے بچانے والا ہے۔ یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ شعیب علیہ السلام بھی انسان ہیں، جب بہت زیادہ

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ
وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں، تم عنقریب جان لوگے کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور کون جھوٹا ہے اور تم بھی انتظار کرو، بے شک میں تمھارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ﴿93﴾ اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، کو اپنی خاص رحمت سے نجات دی اور جن

سمجھانے کے بعد بھی قوم کے لوگوں میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ آئی تو ان کے لہجے میں پھر تلخی آئی ہے جو کہ ان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اور ان کے انداز سے ظاہر ہوتی ہے۔

آیت 93 ﴿وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ . . . .﴾: شعیب علیہ السلام کو جب یقین ہو گیا کہ ان کی قوم کے لوگ ماننے والے نہیں ہیں تو پھر کہنے لگے کہ اگر تم یہ فیصلہ کر چکے ہو کہ میری بات کو تسلیم نہیں کرنا تو پھر ٹھیک ہے تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو، تم اپنے شرک پر قائم رہو میں اللہ کی توحید کی دعوت کے مشن پر قائم رہوں گا۔ میرا اور تمھارا عقیدہ و عمل کا دائرہ الگ الگ ہے۔ "سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" بہت جلد تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے اور "مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ" رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے؟ تم اس عذاب سے دوچار ہوتے ہو یا میں ہوتا ہوں۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ﴾ اور یہ فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے۔ شعیب علیہ السلام کا لہجہ اس آیت میں زیادہ سختی والا ہے، وہ اپنی قوم کے لوگوں پر اللہ کے عذاب کو پیش کر کے انھیں سمجھانے اور روکنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ﴾ تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ فیصلے رب تعالیٰ کی طرف سے آئیں گے، میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کا قانون ہے کہ بالآخر وہ ظلم کا خاتمہ کر دیتا ہے اور نافرمان قومیں صفحہ ہستی سے مٹا دی جاتی ہیں۔

آیت 94 ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا . . . .﴾: اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کا ذکر کر رہے ہیں کہ جس طرح پہلی قوموں پر عذاب آیا، ایسے ہی قومِ شعیب کے بارے میں بھی اس ذات باری تعالیٰ کا حکم آ گیا۔ یہاں حکم سے مراد اللہ کا عذاب ہے۔ فرمایا، ہم نے شعیب علیہ السلام اور ایمان لانے والے ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ "اٰمَنُوْا" کا مطلب ہے کہ جو ایمان میں ساتھی ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ خاندان اور رشتہ داری کی وجہ سے ہم نے کسی کو چھوڑ دیا ہو بلکہ اگر کسی کو ہم نے نجات دی اور بچایا ہے تو ان لوگوں کو بچایا ہے جو شعیب (علیہ السلام) کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ شعیب علیہ السلام کے اس واقعہ میں امتِ محمد ﷺ کے لیے بہت بڑی دعوت ہے۔ ہمارے معاشروں میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو غلطیاں اور

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

لوگوں نے ظلم کیا انھیں زور دار چیخ نے پکڑ لیا، پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿94﴾

گناہ کرتے رہتے ہیں لیکن جب آپ انھیں اس سے منع کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم چونکہ اعلیٰ خاندان سے ہیں، سید زادے ہیں اس لیے ہم تو بخشے ہوئے ہیں۔ عام لوگوں کی بڑی تعداد ایسے لوگوں کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے۔ حقیقت ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے بدعملی بہت زیادہ پروان چڑھتی ہے اور لوگوں کے مزاج خراب ہو جاتے ہیں۔

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا: اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت کے ساتھ انھیں بچا لیا، یعنی بچاؤ صرف اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرے پاس چونکہ اتنی طاقت و قوت ہے اور میں نے یہ منصوبہ بندی کی ہے اس لیے کوئی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکا۔ یہ گمراہ لوگوں کی سوچ ہوتی ہے۔ ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ جب انھیں کوئی کامیابی ملتی ہے تو وہ اسے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت سمجھتے ہیں۔ انسان کو اپنے بچاؤ کے لیے کوشش اور تدبیر ضرور کرنی چاہیے، جیسا کہ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں: ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ [النساء: ۱۰۲] تم اپنا بچاؤ کرو۔ رب تعالیٰ کا حکم سمجھ کر وسائل بھی استعمال کرنے چاہییں، لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کامیابی اسی کی بنیاد پر ملے گی۔ صرف وسائل ہی کامیابی کی بنیاد نہیں ہوا کرتے۔ مسلمان کا تو عقیدہ ہی یہ ہوتا ہے کہ کامیابی اللہ کی رحمت اور مدد سے ملتی ہے۔

یہاں ایک اور مفہوم بھی واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نیکی، وجاہت اور اعمال صالحہ میں بہت زیادہ پختہ ہوتے ہیں لیکن وہ بھی اللہ کی رحمت ہی سے کامیاب ہوں گے۔ اس حوالے سے ایک حدیث بھی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ. قَالُوْا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَا، وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ)) [صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب تمني المريض الموت: ٥٦٧٣] ''کسی شخص کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، مجھے بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے نوازے۔''

وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ: ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا انھیں زور دار چیخ نے پکڑ لیا۔'' ''الصَّيْحَةُ'' سے مراد خوفناک چیخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب قومِ شعیب پر عذاب کے لیے فرشتے کو بھیجا تو اس نے زبردست چیخ ماری جس سے لوگوں کے دل خوف زدہ ہو گئے، سینے پھٹ گئے اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔ قومِ ثمود پر بھی ایسی ہی سزا آئی تھی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے اعمال میں خرابیاں، شرک اور تکبر کا انداز تقریباً ایک جیسا تھا۔